تک براہِ راست پہنچنے کی کوشش کی۔ اس مرحلے پر بھی بعض ارکان نے اعتراض اٹھایا کہ اس خط سے امیدواری کی خواہش ظاہر ہوتی ہے، مگر مجلس نے یہ اعتراض مسترد کر دیا۔

اس انتخاب میں ۷۹۹۳ ارکان نے ووٹ ڈالے، اور ان میں سے ۶۰۹۳ ارکان یعنی ۷۶ فی صد نے محترم قاضی حسین احمد کے حق میں رائے دی۔ ملحوظ رہے کہ ۱۹۹۲ کے انتخاب میں ۷۳۱۶ ارکان نے ووٹ ڈالے تھے، اور ان میں سے ۵۷۲۹ ارکان یعنی ۷۷ فی صد نے محترم قاضی حسین احمد کے حق میں رائے دی تھی۔

یہ بات بھی علم میں رہنا چاہیے کہ ۱۹۸۷ میں جب محترم میاں طفیل محمد کا ۱۵ سالہ دورِ امارت ختم ہوا تھا، تو ارکان کی تعداد ۵۵۲۵ تھی، اور اب یہ تعداد ۸۴۱۶ ہے۔ گویا محترم قاضی صاحب کے دورِ امارت میں اوسط سالانہ اضافہ ۸ فی صد ہوا جبکہ محترم میاں صاحب کے ۱۵ سالہ دورِ امارت میں ارکان کی تعداد میں اوسط سالانہ اضافہ کی شرح ۷ فی صد تھی۔

بعض حلقوں میں یہ اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ مجلسِ شوریٰ نے ارکان کے سامنے ان کا نام تجویز کر کے غلطی کی، اس لیے کہ وہ دستور کے تحت اس منصب کے اہل نہ تھے۔ اگر کوئی شخص مجلس شوریٰ یا کسی فرد کے بارہ میں ایسی رائے رکھتا ہے تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ افراد غلطیاں بھی کر سکتے ہیں اور پسند و ناپسند بھی ہو سکتے ہیں۔ شوریٰ بھی انسانوں پر مشتمل ادارہ ہے، اور وہ غلطی کر سکتی ہے۔ لیکن بہرحال کسی فردِ واحد کو شوریٰ کے فیصلے کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ فیصلہ کرنے والے ادارے جب فیصلہ کر دیں تو جماعتی نظم کی صلاح و سلامتی اس میں ہے کہ اس فیصلے کو تسلیم کیا جائے۔ اگر لوگ اجماع کے آگے سر نہ جھکائیں تو پھر فساد ہی فساد ہے۔ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ شوریٰ کے ارکان وہ ہیں جو محترم قاضی صاحب کے دورِ امارت سے پہلے رکنِ جماعت بنے تھے، اور ان میں سے تقریباً نصف تعداد وہ ہے جو ۱۹۸۵ میں بھی شوریٰ کی رکن تھی۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ جب ارکان نے اتنی یکسوئی سے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے تو اب جماعت کے سب ہی خواہ امیر جماعت کے ساتھ تعاون کریں گے تاکہ وہ دستور کے مطابق جماعت کو چلا سکیں، اور بہی خواہ خود بھی دستور کے مطابق چلیں گے۔

رمضان ختم ہوتے، سفرِ حج شروع ہو گیا۔ اس مناسبت سے اس شمارہ میں حج کے موضوع پر جذبات انگیز تحریروں کا انتخاب پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ قارئین ان کو اپنے قلب و روح کی زندگی کے لیے بھی مفید پائیں گے، اور حاجی، حاجیوں تک بھی پہنچائیں گے۔